Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

Khabib Zahid as a Revolutionary Poet

خبیب زاہد بحیثیت انقلابی شاعر

Allah Ditta[1], Dr Mubashar Saeed[2]
[1]MPhill Scholar, [2]Assistant Professor, Superior University Faisalabad Campus
Correspondence Email*:* mubasharsaeed550@gmail.com

pISSN: 3007-2077
eISSN: 3007-2085

HEC approved in
Y category.

Received: 30-01-2025
Accepted: 21-02-2025
Online: 06-03-2025

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license.

Copyright: © 2025 by the author(s).

Abstract
Khubaib Zahid, born on March 8, 1978, in a small village near Jaranwala, Faisalabad, is a prominent figure in Pakistani literature. After memorizing the Quran, he pursued religious studies and obtained his MA in Arabic and Islamic Studies. In 2002, he passed the Punjab Public Service Commission exam and began his career as a lecturer. Currently an assistant professor, Zahid's first book was published in 2004 and his first poetry collection, "Gham Aina," in 2014. To date, he has published eight books, including children's stories and a psychological treatise. Zahid primarily writes Ghazals, addressing themes like poverty, injustice, capitalism, and patriotism with a revolutionary undertone in his poems. His poetry reflects a progressive mindset, advocating for social change and equality. Influenced by Allama Iqbal, Habib Jalib, and Faiz Ahmed Faiz, Zahid's work resonates with themes of resistance against oppression and exploitation. His poetry emphasizes the plight of the working class and the necessity for societal transformation. Zahid's progressive and revolutionary perspective positions him as a significant contemporary poet, echoing the sentiments of earlier progressive movements in Pakistani literature.

Keywords:
Khubaib Zahid, Faisalabad, Gham Aina, Iqbal, Habib Jalib, Faiz, Revolutionary Poet

خبیب زاہد آٹھ مارچ انیس سو اٹھتر کو فیصل آباد کے قصبے جڑانوالہ کے نواحی گاؤں چک نمبر 23 گ ب میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کے بعد درس نظامی اور وفاق کا امتحان دیا، اسی دوران ایم اے عربی اور اسلامیات کیا اور دو ہزار دو میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے لیکچرار مقرر ہوئے اور تاندلیانوالہ میں تعینات ہوئے۔ آج کل اسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ آپ کی پہلی کتاب دو ہزار چار میں شائع ہوئی اور پہلا شعری مجموعہ غم آئینہ دو ہزار چودہ میں شایع ہوا۔ اب تک آٹھ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں ایک سوانح، دو بچوں کی کہانیوں کی کتب، جن میں سے مسلمانوں کی ایمان افروز کہانیاں" کو سال دو ہزار چھ میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کا ایوارڈ ملا۔ ایک مرتبہ کاتب،

ایک نفسیات پر کتاب، ایک افسانوی مجموعہ اور ایک نئی صنف گہر پارے پر مشتمل کتاب شامل ہے۔ غم آئینہ کے علاوہ مطلع درد اور زخم زخم تماشا ان کے شعری مجموعے ہیں۔

خبیب زاہد بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ زاہد کی غزل کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے۔ غربت، افلاس، مزدور، وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، سرمادارانہ نظام سے بے زاری، انقلاب وطن سے محبت خبیب زاہد کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ اس میں ہجر و فراق اور محبوب کی جفا کر تڑکا بھی شامل کر دیتے ہیں۔ غزل کے علاوہ غم آئینہ کی نظمیں انقلابی رنگ کی ہیں۔ ان کی یہ نظمیں انکی مقصدیت اور ترقی پسندانہ سوچ کی عکاسی کرتی ہیں۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی لکھتے ہیں:

"زاہد کی شاعری میں عوام کے اندر شعور کی بیداری کی ایک پر امن اور پر اثر کوشش نظر آتی ہے"(۱)

خبیب زاہد کی شاعری ترقی پسند تحریک کے زیر اثر دکھائی دیتی ہے۔ خبیب زاہد ترقی پسند شعرا کے ہم نوا ہیں۔ ذیل میں ہم چند ترقی پسند شعرا سے زاہد کی شاعری کا موازانہ پیش کریں گے۔ فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک کے ایک اہم اور ممتاز شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں رومانی کا پہلو بھی موجود تھا اور انہوں نے اپنی شاعری میں اپنی ذاتی زندگی، وطن کی محبت اور دنیا بھر کے مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان کی شاعری میں آفاقیت بھی دیکھی جاتی ہے، جہاں وہ صرف اپنے ملک یا وقت کے مسائل کو نہیں بلکہ عالمی سطح پر انسانیت کی بدحالی اور ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ فیض کی نظموں میں وطن سے محبت اور عالمی یکجہتی کا خیال غالب ہے۔

ان کی نظم "صبح آزادی" اور "نثار میں تیری گلیوں کے" ان کے وطن سے محبت کی مثالیں ہیں، جبکہ "آجاؤ افریقہ"، "ایرانی طلبہ کے نام" اور "آخری رات" ان کی عالمی منظر نامے پر توجہ دینے کی نشاندہی کرتی ہیں۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں رومانی اور حقیقت کا ایک حسین امتزاج تھا، جو انہیں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

عاجزی سیکھی غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرمان کے دکھ درد کے معنی سیکھے
زیر دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے رخ زرد کے معنی سیکھے

ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت
شاہراہوں پر غریبوں کا لہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ
اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے (۲)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

خبیب زاہد بھی ترقی پسند شعرا کے قافلے کے شامل نظر آتا ہے۔ وہ اپنی ایک نظم "بے دردی" میں محنت کشوں اور فاقہ کشوں کا درد اس انداز میں بیان کرتا ہے:

وقت کے زردار دکھتے ہیں بظاہر بے خبر
جبر کو ہر ستم کی داد دیں دل کھول کر
زندگی فاقہ کشوں کی ہو گئی زیرو زبر
ہے بقول رہبر ملت ، تماشا مختصر
مختصر ایسا کہ جس سے دام بھی پورے نہ ہوں
کون فاقہ کاش کے دام آخر لگائے دم بہ دم(۳)

فیض اپنی نظم "سیاسی لیڈر کے نام" میں یوں رقم طراز ہیں:

تیرا سرمایہ تیری آس یہی ہاتھ تو ہیں
اور کچھ بھی تو نہیں پاس یہی ہاتھ تو ہیں
تجھ کو منظور نہیں غلبہ ظلمت لیکن
تجھ کو منظور ہے یہ قلم ہاتھ ہو جائیں
اور مشرق کی کمیں گہ میں دھڑکتا ہوا دن
رات کی آہنی میت کے تلے دب جائے (۴)

زاہد اپنی نظم "صور انقلاب" میں انھی خیالات کی عکاسی کرتے ہیں:

اے ملک کے اشرف جو آئے ہو شاہی کے لیے
آخر ہو تم ظل الہی پاک بستی کے لیے
در ہر تمھارے رہن رکھ دی زندگی لوگوں نے کیوں
دو مانگتے ہیں سکھ کی ہی سانسیں وہ ہستی کے لیے
کیا خواہش تعمیر ان کا جرم ہے ؟ (۵)

درج بالا شعری حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خبیب زاہد ترقی پسند فکر کے حامل ہیں۔ زاہد کی شاعری میں مقصدیت جھلکتی ہے۔ جو کہ ترقی پسند تحریک کے مقاصد میں سے ایک ہے۔ وہ اپنے کلام کے زریعے سے اپنی قوم کی فلاح کے خواہاں ہیں۔ وہ ادب کو زندگی کا آئینہ بناتے ہیں۔ انکی شاعری میں ترقی پسند رجحان کے نمونے جابجا ملتے ہیں:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

جب بھی مزدور کے ہاتھوں کو کہیں بیچ دیا
تو نے ملے کے اثاثوں کو کہیں بیچ دیا
اپنی اولاد کو فاقوں سے بچانے کے لیے
میں نے آرام کی گھڑیوں کو کہیں بیچ دیا (۶)

علامہ اقبال بھی ترقی پسند تحریک کے حامیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اقبال کی شاعری حرکت و عمل کا درس دیتی ہے۔ اقبال انسانی زندگی کے معاشی و اقتصادی پہلو سے بخوبی واقف تھے۔ اس حقیقت کا پرتو ان کی شاعری میں جابجا دیکھا جا سکتا ہے. اقبال کی سب سے پہلی تصنیف "علم الاقتصاد" تھی۔ ترقی پسندوں کے افکار اقبال کے پسندیدہ موضوع ہیں۔ سوشلزم یا اشتراکیت اقبال کے ضمنی موضوع سمجھے جاتے ہیں۔ اقبال کی شاعری کا بنیادی ماخذ قرآن حکیم ہے۔ لیکن اقبال مغربی مفکرین کی صلاحیتوں کے بھی معترف ہیں۔ اقبال گوئٹے، کارل مارکس اور نطشے کے خیالات کی حمایت بھی کرتے ہیں۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے درو دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو (۷)

خبیب زاہد بھی اقبال کے معتقد ہیں اور انھیں اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ اقبال کے افکار کو سرچشمہ حیات گردانتے ہیں۔ خبیب زاہد کی شاعری میں اقبال کی تقلید میں اپنی قوم کے افراد کے لیے درد دل موجود ہے۔ جو انھیں صحیح معنوں میں اقبال کا پرستار بناتا ہے۔ زاہد ترقی پسند خیالات میں بھی اقبال کی پشت پناہی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ خبیب زاہد کی نظم "فسانہءِ اقبال" کا ایک بند ملاحظہ ہو:

ہم نے کچلے سماج کے طبقے
ضرب مومن سے کر دیے مختار
لگ گیا زنگ تیغ نفرت کو
نیزے رنجش کے کر دیے بے کار (۸)

حبیب جالب بیسویں صدی کے ایک نامور اشتراکیت پسند ترقی پسند اور انقلابی شاعر تھے۔ اپنی فعالیت کے ذریعے استبداد، ریاستی ظلم اور فوجی حکمرانی کے سخت مخالف رہے۔ فوجی انقلابات کی مزاحمت کرنے کی وجہ سے کئی بار انھیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں۔ پاکستانی انقلابی شاعر اور ہم عصر فیض احمد فیض کے مطابق جالب ایک عوامی شاعر تھے۔ حبیب جالب سامراجی قوتوں کے سامنے آہنی دیوار بنے رہے۔ اپنی ایک نظم دستور میں وہ اپنے ترقی پسند خیالات کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں:

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے چلے
ایسے دستور کو ، صبحِ بے نور کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا
میں بھی خائف نہیں تختہ دار سے
میں بھی منصور ہوں کہ دو اغیار سے
کیوں ڈراتے ہو زنداں کی دیوار سے
ظلم کی بات کو جہل کی رات کو
میں نہیں مانتا میں نہیں جانتا (۹)

خبیب زاہد کی شاعری میں بھی حبیب جالب کی ترقی پسندی کا عکس نمایاں ہے۔ خبیب زاہد بھی ظلم و جبر اور استعماریت کے خلاف مزاحمتی ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ ان کی اک نظم وطن کے رہزن کا ایک بند حبیب جالب جیسے ترقی پسند خیالات پہ مبنی ہے۔:

وطن کا سینہ مچل رہا ہے ، لہو دلوں سے اُبل رہا ہے
ہے کون عفریت جو کروڑوں کے دلوں کو نگل رہا ہے
یہ شب کے بندے، یہ بار دھرتی کے، حق افلاس کے یہ اعدا
وہ کارخانہ کہاں ہے ، ہر وقت لٹیرے جو اگل رہا ہے (۱۰)

کیفی اعظمی مارکسزم سے متاثر ہو کر کمیونسٹ پارٹی کے رکن بنے اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو انقلابی نظریات اور سیاسی مسائل پر مبنی اشعار تخلیق کرنے میں استعمال کیا۔ ان کی شاعری عوام کے جذبات، دکھ درد اور مشکلات کی عکاسی کرتی تھی، جو ان کے کلام کو مقبول بنانے کا باعث بنی۔ کیفی اعظمی نے شاعری کا آغاز کم عمری میں کیا تھا اور وقت کے ساتھ ان کا کلام سوز و گداز اور گہرائی سے بھرپور ہوتا گیا۔ ان کی نظم "بیکاری "ترقی پسند رجحان کی عکاسی یوں کرتی ہے:

پکاریں زمینوں کے کانوں کے مالک
بڑھیں جگمگاتی دکانوں مالک
کہاں میں کہاں کارخانوں کے مالک
خریدیں چھلکتے خزانوں کے مالک

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

کہ محنت فروشی کو تیار ہوں میں
بڑا دکھ ہے مجھ کو کہ بےکار ہوں میں (۱۱)

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

مری ہڈیوں سے بنے ہیں یہ ایواں
مرے خوں سے ہے یہ سیل بہاراں
مری مفلسی سے خزانے ہیں تاباں
مری بے زری سے ہیں سکے درخشاں (۱۲)

خبیب زاہد اور کیفی اعظمی کی شاعری میں سرمایہ دارانہ نظام سے بغاوت کے مشترکہ عناصر ہیں۔ جو کہ ترقی پسند شعرا کا خاصہ ہے۔ ترقی پسند شعرا نے ادب کو زندگی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ انسان کو درپیش مسائل شعرا کا موضوع سخن ہے۔

علی سردار جعفری کو ترقی پسند تحریک سے وابستہ ایک اہم شاعر اور ادیب کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کی شخصیت مختلف پہلوؤں سے مزین تھی، اور وہ نہ صرف شاعر تھے بلکہ نقاد اور نثر نگار بھی تھے۔ انہوں نے ادبی موضوعات پر توصیفی و تنقیدی مضامین، افسانے، ڈرامے اور یادداشتوں پر مبنی تحریریں بھی لکھیں، جو آج بھی ادب کی دنیا میں یاد کی جاتی ہیں۔ علی سردار جعفری نے ترقی پسند تحریک کے ذریعے اپنے خیالات اور نظریات کی ترویج کی اور اپنی تخلیقات کے ذریعے عالمی سطح پر امن، بھائی چارے اور انسان دوستی کا پیغام دیا۔ انہوں نے فرد کی آزادی اور خوش حالی کے لیے نظمیں لکھیں اور ان کی شاعری کو عوام میں خاصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ آج کے دن علی سردار جعفری کی وفات کا دن ہے، اور ان کی تخلیقات آج بھی ادب کی دنیا میں زندہ ہیں۔ علی سردار جعفری اور زاہد کی نظموں کا بغور مطالعہ کریں تو دونوں کی نظمیں انقلاب کا نعرہ محسوس ہوتی ہیں علی سردار جعفری ترقی پسند تحریک کے متحرک کارکن شاعر ہیں جب کہ زاہد عہد حاضر کے ترقی پسند رجحان کے حامل شاعر کی حیثیت سے ادب کے افق پہ نمایاں ہوئے ہیں۔ زاہد کی ایک نظم انقلاب کا بند:

محبت ہے اے انقلاب اب بھی تجھ سے
اگر فرق طبقوں میں کرتا نہیں ہے
اگر تو امیروں سے ڈرتا نہیں ہے
ستم گر کی خاطر ابھرتا نہیں ہے
اگر کچھ کئے بن گزرتا نہیں ہے
اگر وقت کے ہاتھ ہیں تیری باگیں
تو شاطر کے گھر میں سنورتا نہیں ہے

محبت ہے اے انقلاب اب بھی تجھ سے(۱۳)

علی سردار جعفری کی نظم تعمیر نو:

انقلاب روس نے مشرق میں چھیڑا ہے رباب
ایشیاء کی روح میں ہے زندگی کا اضطراب
زندہ باد اے انقلاب
رسیم پرویزی گئی، آئین چنگیزی گیا
اب ہمیشہ کے لیے دستور خوں ریزی گیا
زندہ باد اے انقلاب
عارض لعل و بدخشاں پر ہے کیسی آب و تاب
سرخ رو خونِ شہیدانِ وطن سے ہے گلاب
زندہ باد اے انقلاب(۱۴)

علی سردار جعفری اور زاہد کے زمانوں میں تفاوت ہے دونوں اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق انقلابی سوچ کے حامل ہیں۔

خبیب زاہد کی شاعری میں ترقی پسند رجحان کی عکاسی کرنے والے چند اشعار درج ذیل ہیں:

کہا بچے نے ماں ! بیمار بھائی کب مرے گا
مری باجی کے مرنے پر ہمیں چاول ملے تھے (۱۵)
جتنا چاہو میرے ہاتھوں کو بھلے صاف کرو
خاک ہاتھوں سے کہاں جائے کہ مزدور ہوں میں (۱۶)
قبر خود اپنی بناؤں گا کفن سے اٹھ کر
کون مر کر مجھے سونے دے کہ مزدور ہوں میں(۱۷)
مجھ سا مفلس بھی غلامی کو ہے زندہ ورنہ
اجلے بدنوں کی تو تہذیب کا ناسور ہوں میں (۱۸)
روشنی خود تو بانجھ ہوتی ہے
ہر دیا ظلمتوں سے اٹھتا ہے (۱۹)
سنار شہر کے مل کر نہ دے سکے قیمت
غریب زادی کے دو ہی تھے بال چاندی کے(۲۰)

Tahreer
Journal of Languages and Literature, Vol. 3 No. 1 (2025)

درج بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خبیب زاہد ایک اہم ترقی پسند شاعر ہیں جنھوں نے اپنے اشعار میں مزدوروں، غریبوں، اور عوامی مسائل کی ترجمانی کی۔ ان کی شاعری سماجی و اقتصادی ناہمواریوں، ظلم، اور استحصال کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان کے اشعار میں جو موضوعات بار بار نظر آتے ہیں، وہ انسانیت کی تکلیفیں، غربت، سماجی طبقاتی تفریق اور انسان کے استحصال سے جڑے ہوتے ہیں۔ خبیب زاہد نے محنت کش طبقے کی تکالیف کو کھل کر بیان کیا ہے۔

خبیب زاہد کی شاعری میں غریبوں اور مظلوموں کے دکھ درد کی گہرائی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ وہ سماج میں تبدیلی کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی شاعری نہ صرف درد اور اذیت کی عکاسی کرتی ہے بلکہ ایک نئے معاشرتی اور اقتصادی نظام کی ضرورت کو بھی پیش کرتی ہے، جہاں ہر فرد کو برابری اور احترام کا حق مل سکے۔

حوالہ جات

۱۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، سلیمان اکیڈمی، فیصل آباد، ۲۰۱۴، ص ۱۵

۲۔ فیض احمد، فیض، "نسخہ ہائے وفا" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۲، ص ۷۰

۳۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۱۰۹

۴۔ فیض احمد، فیض، ص ۱۱۱

۵۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۱۳۵

۶۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۷۴

۷۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، "بال جبریل"، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۳۵، ص ۱۰۳

۸۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۱۴۱

۹۔ حبیب، جالب، "کلیات حبیب جالب"، ماورا پبلشر، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۱۲۹

۱۰۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۱۳۰

۱۱۔ اظہر حسین، کیفی اعظمی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۳، ص ۸۰

۱۲۔ اظہر حسین، کیفی اعظمی، ص ۸۲

۱۳۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۱۳۱

۱۴۔ علی سردار جعفری، کلیات علی سردار جعفری، قومی کونسل برائے فروغ اردو زباں، نئی دہلی، ۲۰۰۴، ص ۱۳۳

۱۵۔ خبیب زاہد، مطلع درد، روہی بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۷، ص ۱۰۷

۱۶۔ خبیب زاہد، ص ۸۷

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ خبیب زاہد، "غم آئینہ"، ص ۸۷

۲۰۔ خبیب زاہد، مطلع درد، ص ۹۶